© rasailojaraid.com

پہلا انسان اور قرآن

(از جناب مولوی سید حسین صاحب شور- ایم- اے- عثمانیہ)

(۴)

اپنی علمی اور منزلی بلندیوں کا تماشا کرنے کے بعد اب آدمؑ کو تنہا نہیں بلکہ اس کے جوڑے کے ساتھ چھوڑ دیا گیا جو اس کی پشت سے نسلی طور پر نہیں نکلا تھا بلکہ انسانی دل کے پاس ایک جز کی ایسی انسانی شکل تھی جس میں قدرت نے آدمؑ کے قلب کے لئے سکون اور چین اور رحمت و محبت بھر دی تھی اور دونوں کو ایسی کائنات میں بھیجا گیا جہاں انسانی وجود کی ہر حاجت کی تکمیل کے لئے براہ راست قدرت اور اس کے قوانین اس سیر چشمی کے ساتھ موجود تھے کہ آدمؑ کو حکم دیا گیا کہ تم اور تمہارا جوڑا جس مقام پر جس چیز کی خواہش کریگا وہ جی بھر کر ان کو دیا جائیگا۔ صرف اتنی شرط رکھی گئی کہ اپنے احتیاطی تعلق کو بجز حق کے کسی اور قانون اور کسی اور چیز سے وابستہ نہ کرینگے۔

لیکن ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آدمؑ اور اس کے جوڑے کے دامنِ اخلاص پر کوئی داغ نمودار ہوا۔ ورنہ شیطانی کرشموں کے لئے ان کے اندر گنجائش ہی کس طرح پیدا ہوتی۔ دیکھا گیا کہ اپنے احتیاجی تعلقات کو بجائے حق کی ذات کے ساتھ وابستہ کرنے کے (جس طرح تمام جان رکھنے والی ہستیاں نا معلوم زمانہ سے اس زمین پر وابستہ کئے ہوئے ہیں) ان میں سے کسی کے دل میں اس کا خیال تک نہیں ہے کہ "جو کچھ آج مل رہا ہے وہ ہمیشہ ملتا رہے اور اب اس کی ضمانت تلاش کرنی چاہیئے۔

لیکن آدمؑ اور اس کے جوڑے کے دل میں اس "خلد" اور "ہمیشگی" کی بڑھنے والی خواہش کا پایا بالفاظِ دیگر "خلد" کے اس درخت کے تخم کا وسوسہ پیدا ہوا یعنی "جو کچھ آج مل رہا ہے وہ ہمیشہ ملتا رہے آدم اور اسکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوڑا دونوں اس گورکھ دھندے میں مبتلا ہوئے وہ سوچنے لگے کہ کیا اس کی "ضمانت" ٹھوس ضمانت" کسی ذریعہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ آخر بنکوں[1] کے روپے۔ کرایوں کے مکانات زمین داری کی زمین ادنیٰ درجہ کے انسانوں میں سلطنتوں۔ حکومتوں وغیرہ کے ذریعہ سے اعلیٰ طبقے کے آدمیوں میں کس بات کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ روز روز جو احتیاجی تعلق باقی رہتا ہے اس جھنجھٹ سے نجات پانے کی راہ یہی ہے کہ آج جو کچھ مل رہا ہے اس کو ایسی شکل میں بدل دیا جائے کہ پھر ہمیشہ یہی ملتا رہے۔ آئے دن خدا کے سامنے سوال کرنے اور دستِ احتیاج دراز کرنے کی ضرورت نہ رہے، یہی "شجر الخلد" تھا کہ جہاں ہر ایک سے مستغنی، ہر ایک سے بے پرواہ آج کے نقد میں مست اور مگن رہنے والے آدم کا پاؤں پھسل گیا۔

"آج جو کچھ مل رہا ہے ہمیشہ ملتا رہے" اس کا وسوسہ تو آدمؑ کے اندر پیدا ہوا لیکن اس کا اثر باہر میں یہ مرتب ہوا کہ کل کے خیال نے آج کی خوشی کو بھی برباد کر دیا۔ شادمانی و نشاط آزادی و بے فکری کا سارا سرور خاک میں مل گیا۔ فاخرجھما مما کان فیہ (جس حال میں دونوں تھے اس سے شیطان نے ان کو باہر کر دیا) اور صرف یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "آج" کی ضرورت کسی کی پوری نہیں ہوتی لیکن یہی "کل" کی فکر ہی ہوتی ہے جو انسانوں کو دوسرے انسانوں پر حملہ کرنے پر مجبور کرتی ہے یہ اس کی حکومت چھینتا ہے اس کی دولت لوٹتا ہے۔ اس کے مال پر دانت پیستا ہے اور اس سے حسد کرتا ہے۔ الغرض وہ سارے شرمناک عیوب اور رذائل جو اب تک انسانی فطرت میں پوشیدہ تھے ہمیشگی اور خلد کی تلاش میں کھل پڑتے ہیں، آدمی اگرچہ مختلف راہوں سے ان کمزوریوں پر پردے ڈالتا ہے لیکن وہ پردے ایسے خشک پتوں کے پردے ہوتے ہیں جو ادنیٰ تحریکوں اور جنبشوں سے اڑ جاتے ہیں۔ یا کچھ دن گذرنے کے بعد سڑ کر گر پڑتے ہیں اسی وسوسہ کے بعد انسان انسانیت کے بلند مقام کے اونچے میناروں سے گر کر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے سامنے خوشامدیں کرتا پھرتا ہے

---

[1] عام انسانی فطرت جس چیز میں "اخلاد" یعنی خلد اور ہمیشگی بخشنے والی قوت سنور سمجھتی ہے قرآن نے دوسری جگہ اس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔ جمع مالا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کا حساب کرتا رہتا ہے اور یہ خیال پکاتا ہے کہ یہی مال اور سرمایہ اس کو ہمیشگی عطا کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باہم ایک دوسرے کا دشمن ہوجاتا ہے۔

اسی طرح قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تین چیزیں تھیں۔

۱۔ ملائکہ جن کو جو کچھ کہا گیا بجالائے

۲۔ شیطان جس کو جو کچھ کہا گیا اس نے نہ مانا۔

۳۔ انسان جس چیز سے منع کیا گیا اس سے باز نہ آیا۔

مگر جب شیطان سے پوچھا گیا کہ تونے میرے حکم کو کیوں توڑا؟ اس نے جواب میں گویا یہی کہا کہ آپ کا حکم اور قانون ہی غلط تھا میرا فعل درست تھا۔ آدمؑ سے بھی پوچھا گیا تونے کیوں میرے حکم کو نہ مانا؟ یہی وقت ہے جو آدمؑ کو شیطان سے جدا کرتا ہے اس نے یہ نہیں کہا کہ میرا فعل صحیح تھا آپ ہی کا حکم غلط تھا بلکہ اس نے ہاتھ اٹھائے اور رو کر گویا کہنے لگا آپ کا حکم درست اور بجا تھا میرا ہی فعل غلط اور بیجا تھا۔ پس ملائکہ تو وہ ٹھیرے جن سے گناہ ہی نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے۔ لیکن شیطان اور انسان ایسی ہستیاں ہیں جن سے گناہ ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا مگر شیطان وہ ہے جو گناہ کے بعد خدا کے قانون ہی کو غلط ٹھیرالے اور اپنے فعل کو سراہے اور انسان وہ ہے جو گناہ کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے شرم وندامت کے آنسوؤں سے اپنی رسوائیوں کی سیاہی کو دھوتا رہے۔

لیکن اس گناہ کے بعد توبہ کے جذبات میں ہیجان نہ پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ایسے انسانوں کا روحانی تعلق آدمؑ سے ٹوٹ کر شیطان سے قائم ہوگیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر انسانیت کی راہ سے گناہ اور توبہ کی باہمی ترکیب کا ظہور نہ ہوتا تو خالقِ کائنات کے تمام صفات میں جو غالب ترین صفت تھی جس کا نام رحمت ہے اور جو ہر شئے میں سمائی ہوئی ہے اور غضب پر سابق ہوچکی ہے اس کے "ظہور تام" کی کیا شکل ہوتی۔ معصوم مغفور نہیں ہوسکتا۔ رحم تو اسی کے لئے ہے جس کو قانون سزا کا مستوجب ٹھیراتا ہو لیکن رحم اگر مغفرت کا طالب ہے تو خدا کی صفت عدل قانون کے نفاذ کو چاہتی ہے۔ ایسی ذات جس میں رحم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدل دونوں جمع ہوں۔ وہاں دونوں کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ رحم چاہتا ہے کہ بخش دیا جائے وہ بخش دیتا ہے عدل چاہتا ہے کہ سزا دی جائے وہ سزا دیتا ہے۔ لیکن صورت کیا ہوتی ہے؟ جو جیل کا مستحق ہے اس کو بجائے جیل کے صرف جرمانہ کی سزا دیجاتی ہے جو زیادہ رونا گڑگڑاتا ہے بجائے جرمانہ کے چند تازیانوں پر اس کی سزا ختم ہوجاتی ہے تا اینکہ کسی نے زاری وگریہ میں اگر زیادہ مبالغہ کیا تو اس کے لئے چند سخت سست الفاظ کے ذریعہ سے سزا کی تکمیل ہوجاتی ہے یہی اس حدیث کا مطلب ہے جس میں ہے کہ آیتِ قرآنیہ

من یعمل سوءً یجز بہ جس نے جو کوئی برائی کی ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

نازل ہوئی تو صحابہؓ پر یہ آیت بہت گراں گزری لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو معلوم ہوا کہ اعمال کی سزا دنیا میں مصائب وآلام، امراض وغموم وہموم کی شکل میں بھی ہوجاتی ہے تو ان کی تشفی ہوئی۔ یہی آدمؑ کے ساتھ اور ان کے بچوں کے ساتھ کیا گیا۔ گناہ ہوچکا تھا اسلئے ہبوط اور نزول کی جو سزا مل چکی تھی۔ وہ سزا تو نہ ٹلی لیکن چونکہ اس گناہ کے ساتھ گریہ وزاری بھی واقع ہوئی۔ اس لئے رحم نے اعلان کیا۔

فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اگر تمہارے پاس رہنما آئیں تو جو میرے ان رہنماؤں کی پیروی کرے گا ان کو نہ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

گناہ کی بدولت آدمؑ کو ہبوطی زندگی ملی تھی اس ہبوطی اور پست زندگی میں وہ فراغبالی اور بے فکری جو احتیاج الی اللہ کے مقام کا لازمی نتیجہ تھا انسان کھو بیٹھا اور بجائے اس کے اس زندگی میں خوف اور حزن کے اجزا شریک ہوگئے لیکن توبہ واستغفار کی بدولت اس خوف وحزن سے نجات کی راہ ہادیوں یعنی پیغمبروں اور ان کی تعلیم کی شکل میں نکل آئی۔

اب صرف ایک بات اور رہ جاتی ہے کہ آدمؑ کی آفرینش کسی طرح بھی ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ تاریخی طور پر نسل انسانی آیا آگے کی طرف بڑھ رہی ہے یعنی ترقی کر رہی ہے یا پیچھے کی جانب جاری ہے یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنزل کر رہی ہے۔ ایسے لوگ جو قرآن سے جدا ہو کر سوچتے ہیں ان میں قدیم طبقہ کا عام خیال کُلَّ یوم بتر۔ کے یاس انگیز نظریہ کی طرف جھکا ہوا ہے یا یوں کہیے کہ جو قومیں بڑھ کر گھٹ رہی ہیں یا اونچی ہونے کے بعد نیچی ہو رہی ہیں ان میں عام طور سے یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ نسلِ انسانی یومًا فیومًا رو بہ تنزل ہے۔

لیکن دنیا کا جدید طبقہ یا جو پستی کی خندقوں سے نکل کر آج عروج و اقبال کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے ہیں ان میں "نظریہ ارتقا" کو مقبولیت حاصل ہے۔ گویا جس طرح ان کی قوم ذلت سے نجات پاکر عزت کی رفعت تک اور غربت و فلاکت کے پنجوں سے نکل کر رفاہیت و غنا کی مسرتوں سے ہم آغوش ہے، ان کے نزدیک یہی حال ساری بنی نوع انسان کا ہے لیکن قرآن کے پڑھنے سے جو نتیجہ سمجھ میں آتا ہے وہ ان دونوں خیالات سے مختلف ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس قرآنی بیان کو سامنے لائیں انسانی فطرت کے ایک "قانون" کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ انسانی وجود کے بقا و ارتقا کا سارا دارومدار ان قدرتی قوانین کی ہم آہنگی پر ہے جو نباتات، جمادات و حیوانات وغیرہ کی شکل میں اس کے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ قدرتی طور پر آدمی انکا محتاج بنایا گیا ہے وہ ان چیزوں کو اپنے لئے سمجھتا ہے اور اسی لئے جس طرح ممکن ہے ان پر قابو حاصل کر کے اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ لیکن ان اشیاء سے استفادہ کی عمومًا دو راہیں ہیں بعض لوگ صرف جسمانی قوت کی راہ سے ان پر قابو حاصل کرتے ہیں اور بعض لوگ بجائے جسمانی قوت کے اپنی عقلی قوتوں کو بیدار کر کے ان قوانین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلًا آدمی پانی پینا چاہتا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو دریاؤں ندیوں کے کنارے جا کر پانی میں گھس کر جانوروں کی طرح پانی پیے ایک شکل یہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ عقل کے زور سے بذریعہ نل وغیرہ کے اس پانی کو خود اپنے گھر تک لے آئے۔ آدمی کے سامنے دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں دونوں سے اس کا کام چل جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ان دونوں طریقوں کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ جو بجائے عقل کے صرف جسمانی قوتوں سے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیزوں کو قابو میں لاتے ہیں ان کی جسمانی قوت روز بروز بڑھتی جاتی ہے لیکن اسی نسبت سے ان کی عقلی قوت کند اور مردہ ہو جاتی ہے اسی طرح جو عقلی قوتوں کو بیدار کرکے ان سے نفع اٹھاتے ہیں ان کی عقل تو تیز سے تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے لیکن اسی نسبت سے ان کا جسم کمزور نحیف و ناتواں اور نازک ہو جاتا ہے جنگل کے گونڈ بھیل عموماً اپنی معاشی ضروریں جسمانی قوت سے حاصل کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جسماً وہ کیسے تندرست و توانا ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ان کا عقلی پہلو قریب قریب اتنا پست ہو جاتا ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ اسی کے مقابلہ میں شہری اور تمدنی زندگی بسر کرنیوالے انسان چونکہ عموماً اس راہ میں اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ عقل توان کی فروغ یافتہ ہوتی جاتی ہے مگر اسی نسبت سے وہ اپنی جسمانی توانائیوں کو کھوتے جاتے ہیں پھر اس کے بعد قدرتی آلام و آفات کے مقابلہ کرنے کی قوت بھی بتدریج ان سے رخصت ہونے لگتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تمدن جتنا بڑھتا جاتا ہے امراض اور ان کے ساتھ اطبا کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے یہی وہ دشواری ہے جس کو موجودہ زمانے کے تمام تعلیمی و عقلی ارتقار کے عام مرکزوں میں محسوس کرکے فزیکل اور جسمانی ورزشوں سے اس کی تلافی کی شکلیں سوچی جارہی ہیں اگرچہ بظاہر ان میں کامیابی کی توقع کی جارہی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اسکول کے پڑھنے والے طلبا اچھے کھلاڑی نہیں بن سکتے۔ اور اچھے کھیلنے والے اچھے پڑھنے والے نہیں ہوتے۔ بہرحال یہ ایک ایسی کشمکش ہے جو جسمانی اور عقلی قوتوں کے استعمال کے لازمی نتائج ہیں۔

فطرت انسانی کے اس عام اصول کو سامنے رکھنے کے بعد اب قرآن کے چند واقعات پر نظر کرو دنیا میں جب "پہلا مردہ" پایا گیا تو قرآن میں ہے کہ عقلِ انسانی اس کے دفن کرنے سے بھی عاجز تھی۔ اور کوے میں اپنے ماکولات کے دفن کرنے کی جو فطری خاصیت ہے اس کو دیکھ کر قبر کا نظریہ آدمی کی سمجھ میں میں آیا۔ اسی طرح یہ بھی قرآن ہی میں ہے کہ ابتدا میں انسان نے اپنی شرمگاہ کو درخت کے پتوں سے چھپایا تھا۔ ان واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں عقل سے کم کام لیتا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا زیادہ تر وہ اپنی ضرورتیں جسمانی قوت سے پوری کرتا تھا یہی قرآن بھی کہتا ہے اور یہی تاریخی تحقیقات کے آخری نتائج بھی ہیں کہ انسان بتدریج حجری عہد سے گذر کر نحاسی اور آہنی دور تک پہنچا پھر اس دور سے نکل کر اب میکانیکی عہد میں داخل ہوا ہے۔ لیکن جب ابتدا میں انسان عقل سے بہت کم کام لیتا تھا اور جسمانی قوتیں ہی اس کی زیادہ مشکل کشائی کیا کرتی تھیں تو اصول بالا کی رو سے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ عقلاً اگر وہ سست و کمزور تھا تو جسماً اسی نسبت سے وہ بہت تنومند اور زور آور تھا۔ اور مذہبی روایات یعنی قرآن اور حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نہ صرف کمّاً او رمقداراً بلکہ کیفیتاً بھی انسان بہت مضبوط اور استوار تھا حتیٰ کہ قرآن کا تو اس باب میں یہاں تک بیان ہے کہ ابتدائی زمانہ میں بعض انسانوں کی عمر نو ساڑھے نو سو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی تھی اور صحتِ جسمانی کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ آدمی کے قویٰ دیر میں ضعیف ہوتے تھے اور جیسا کہ حیوانات وغیرہ کے متعلق موجودہ حضری تحقیقات کا یہ اعلان ہے کہ بہت سے ایسے جانور جو آجکل بالشت دو بالشت کے نظر آتے ہیں زمین کے ابتدائی عہد میں نشوونما کی انتہائی قوت کی بدولت اسّی اسّی فٹ کے ہوتے تھے۔ جن چھپکلیوں گرگٹوں کا قد آج ایک بالشت ہے کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہی زحافات بیس بیس چالیس چالیس ہاتھ کے ہوتے تھے حتیٰ کہ ڈیناصور قسم کے جانوروں کے متعلق بیان کیا بلکہ مشاہدہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے ہاتھیوں اور گینڈوں سے دوگنے چوگنے قد والے ہوتے تھے برفستانوں کے اندر سے جو استخوانی ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں ان سے اسکی تصدیق ہو رہی ہے۔

اسی طرح بعض صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ابتدائی انسان کا قد ساٹھ ساٹھ ہاتھ تک ہوتا تھا اور جب بالشتی وجود والی ہستیاں کسی زمانہ میں بیس سے تیس گز ہوتی تھیں تو جس زمانہ میں عقل سے زیادہ آدمی جسمانی قوتوں سے کام لیا کرتا تھا لازمی طور پر اس کے قد کو موجودہ زمانے کے قدوں سے بہت متفاوت ہونا چاہیے

الحاصل قرآن اور مذہب کی دوسری مستند روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلی طور پر آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ گھٹ ہی رہا ہے اور نہ بڑھ ہی رہا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ گھٹ بھی رہا ہے اور بڑھ بھی رہا ہے میرا مقصد یہ ہے کہ ان تمام روایات کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ انسانی نسل جسمانی طور پر کمّاً و کیفیتاً ہر حیثیت سے گھٹ رہی ہے اور عقلی لحاظ سے یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے کیونکہ بتدریج بجائے جسمانی ذرائع کے عقلی راہوں اور قوتوں سے وہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا عادی ہو گیا ہے اور ہو رہا ہے وہ فطرتاً عقلی اور علمی حقیقت تھا۔ اسی لئے بالآخر عقل و علم ہی اس پر غالب آگیا جس کی تائید انسانیت کے فطری قوانین اور تاریخی و طبقاتی واقعات سے ہو رہی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ "انسانیت" کی تصحیح کے لئے جو آسمانی ہدایت نامے وقتاً فوقتاً خدا کے ہادیوں کے ذریعہ سے آتے رہے۔ ان میں "انسانی وجود" کے اس "ترقی و تنزّل" کی ہمیشہ رعایت ملحوظ رکھی گئی۔ جب تک انسان جسماً مضبوط قوی اور تنآور تھا اور عقلاً سادہ اور بسیط تھا۔ اس وقت مذہب کے قوانین جسمانی طور پر سخت اور عقلی طور پر سیدھے سادے موٹے اور عام فہم ہوتے تھے لیکن جوں جوں اسکی جسمانی قوت روبہ زوال ہوتی رہی اور اس کی عقل اسی نسبت سے روشن سے روشن تر تو اسی اعتبار سے مذہبی قوانین و احکام میں جسمانی لحاظ سے بہت نرمی برتی گئی اور عقلی و علمی طور پر باریک سے باریک مسائل و لطائف کا علم اسے بخشا گیا۔

یہی وہ راز ہے جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے "انسانیت" کے آخری ہدایت نامہ "اسلام" کی خصوصیت اس کے داعی علیہ السلام نے الملۃ السمحۃ البیضا بتائی یعنی جسمانی طور پر اس آئین میں بہت نرمی کا لحاظ رکھا گیا اور اس لئے وہ سمحا نرمی برتنے والی ملت ہے اور عقلی طور پر تابناکی کے انتہائی درجہ پر ہے ایسے درجہ پر کہ "لیلھا و نھارھا سواء" (یعنی اس کی رات اور دن دونوں برابر ہیں) اور اسی لئے اس کی صفت بیضا یعنی روشن ٹھیرائی گئی۔

یہ تھے قرآنی آیتوں کے متعلق چند اجمالی تبصرے جو "انسان اول" کی متعلقہ قرآنی آیتوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستنبط اور ماخوذ ہیں۔

اس مضمون کی ترتیب میں کن کن کتابوں اور کن کن چیزوں کا مطالعہ کیا گیا۔ اگرچہ صراحۃً ان کا ذکر اس مقالہ میں کم کیا گیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہزارہا صفحات کی دیدہ ریزیوں کے بعد یہ چند نتائج ایسے نتائج ہیں جن کے متعلق مجموعی طور پر اگر دعویٰ کیا جائے کہ اس شکل کے ساتھ آج سے پہلے کسی کتاب میں نہیں مل سکتے تو وہ غلط نہیں ہو سکتا صرف یہی نہیں بلکہ بنظرِ اختصار ہم نے قصداً ان تمام تفسیری بیانات سے اعراض کیا ہے جو مختلف آیات کی تفسیر میں مختلف مفسرین نے درج کئے ہیں۔ اگر اس کی کوشش کی جاتی تو بجائے مقالہ کے یہ ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتی جس کا یہاں موقعہ نہیں۔

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

فلسفۂ عجم

ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی انگریزی کتاب کا ترجمہ

اس کتاب میں ایرانی تفکر کے منطقی تسلسل کا سراغ لگانے کی کوشش کی گئی ہے اور اسے فلسفۂ جدید کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔

تصوف کے موضوع پر نہایت سائنٹفک طریقے سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی بلند پایہ عالمانہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔ قیمت دو روپے (عمہ)

ملنے کا پتہ

مکتبہ برہان قرول باغ دہلی

© rasailojaraid.com